تمام تر مقصد رمضان کا خدا کا ملنا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 9 رفروری 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ (البقرۃ: 184 تا 185)

فرمایا:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے جاتے رہے تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ گنتی کے چند دن ہیں یا چند دن جنہیں گنا جاتا ہے فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ پس تم میں سے جو بھی کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں وہ یہ گنتی پوری کرلے وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ اور وہ لوگ جو طاقت نہیں رکھتے یعنی روزے کی طاقت نہیں رکھتے ان پر مسکین کو کھانا کھلانا فدیہ ہے۔ یا وہ لوگ جو فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہیں ان کو فدیہ دینا چاہئے۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ پس اس پہلو سے جو طوعی نیکی، شوق سے نیکی کرنے والا ہو وہی اس کے لئے اچھا ہے یعنی نیکی میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہئے وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اور اگر تم روزے رکھ سکو تو یہ بہتر ہے اگر تم اس کو جانتے کہ اس میں کیا فوائد ہیں۔

یہ آیت پہلے بھی میں نے رمضان ہی میں تلاوت کی تھی پہلے بھی اس کے متعلق کچھ باتیں

آپ کی خدمت میں عرض کی تھیں مگر قرآن کریم کے مضامین تو بے انتہا ہیں ہر آیت کو بار بار پڑھنے سے کچھ نئے مضامین سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔ رمضان کے تعلق میں سب سے پہلے تو میں ''گنتی کے چند دن'' کی بات کرتا ہوں جیسا کہ میں نے کہا تھا ایک پہلو اس کا یہ ہے کہ تھوڑے دن ہی تو ہیں چند دن کی بات ہے اور یہ پہلو کمزوروں کے لئے ہے۔ وہ لوگ جو روزے کا خوف کھاتے ہیں جو روزے سے ڈرتے ہیں جن کو نیکیوں کی عادت نہیں جن کو خدا کی راہ میں قربانیاں دینے کی مشق نہیں ہے ان کے لئے یہ بات کیسے پیارے انداز سے ایک سہارا ہے۔ چند دن کی بات ہے کچھ کر لو، جو کچھ کر سکتے ہو کر لو اس سے تمہیں فائدہ پہنچے گا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کاش کہ تم جانتے، تمہیں پتا ہوتا کہ یہ چند دن کی قربانی تمہارے لئے کیسی دائمی برکتیں لے کے آئے گی۔

ایک دوسری بات مَّعْدُوْدٰتٍ میں یہ ہے کہ افسوس کہ یہ چند دن کی باتیں ہیں بہت پُر بہار موسم آنے والا ہے مگر وہ لوگ جن کو محبت ہو جن کو ہر بار رمضان سے گزرنے کے بعد ایسے روحانی تجربات ہوئے ہوں ایسے لطف انہوں نے اٹھائے ہوں تو وہ جب رمضان گزرنے لگتا ہے پھر حسرت سے دیکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں چند دن کی باتیں تھیں جو گزر گئیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باقی سال میں وہ کیوں انہی نیکیوں کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر بات کے موسم ہوا کرتے ہیں۔ بہار کا بھی ایک موسم ہے، خزاں کا بھی ایک موسم ہے اور موسم پر انسان کو اختیار نہیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ خزاں کا موسم ہو اور کچھ پودے پھول پھل رہے ہوں لیکن عمومی کیفیت یہی ہے کہ جہاں تک قاعدہ کلیہ کی بات ہے خزاں میں کم ہی سبزہ دیکھنے میں آتا ہے اور کم ہی پودے ہیں جنہیں خزاں موافق آجاتی ہے اور بہار میں بھی یہی صورت ہے کہ عمومی طور پر ہر چیز سرسبز و شاداب دکھائی دیتی ہے، سوکھے ہوئے درخت ہرے ہونے لگتے ہیں، شاخیں کونپلیں نکالتی ہیں اور رونق پھر دوبارہ لوٹ آتی ہے لیکن کچھ ایسے بھی سوکھے درخت ہیں جو بہار آنے پر بھی سوکھے رہ جاتے ہیں تو موسم کی بات ہے۔ رمضان ایک موسم لے کے آتا ہے یہ موسم قرب الٰہی کا موسم ہے۔ یہ موسم فضا تبدیل کر دیتا ہے کمزور بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور طاقتوروں کے ارد گرد سہارے بن جاتے ہیں طاقتوروں کو اور آگے بڑھنے کی توفیق ملتی ہے۔ تو موسم کے جھرمٹ میں جو چیزیں ہوتی ہیں وہ بے موسم میں چاہو بھی تو ہو نہیں سکتیں سوائے اس استثناء کے، سوائے ان لوگوں کے جن کو خدا کے حضور

ایک دائمی حضوری حاصل ہے مگر وہ کم ہوتے ہیں وہ استثناء ہیں۔

پس اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کے دوسرے معنی یہ بنیں گے کہ گنتی کے چند دن آ کے گزر جانے والے ہیں اور کاش یہ جاری رہ سکتے مگر جتنے دن ہیں ان سے تو پورا فائدہ ہم اٹھائیں اور مَّعْدُوْدٰتٍ میں جو حرص پیدا ہوتی ہے کہ یہ گزرنے والے دن ہیں اس کی مثال وصل کی گھڑیوں سی ہے۔ وصل کی گھڑیاں بھی تو بعض دفعہ مقرر ہوتی ہیں معین ہو جایا کرتی ہیں۔ پتا ہے کہ محبوب کتنی دیر کے لئے آیا ہے اور انسان چاہتا ہے کہ اس کا ہر لمحہ اس کے قرب میں گزر جائے۔ یہ بھی اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ہیں اور سزا کی گھڑیاں بھی معین ہوتی ہیں ،فراق کے لمحے بھی اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ بن سکتے ہیں لیکن کتنے مشکل لمحات ہیں کہ ایک ایک گھڑی، ایک ایک دن، ایک ایک رات گن گن کے کاٹنی پڑتی ہے۔

تو مَّعْدُوْدٰتٍ کے دونوں معنے ہیں اور ان دونوں معنوں میں یہ مضمون رمضان مبارک پر صادق آتا ہے اور پھر عجیب بات ہے کہ اس کے دن واقعی جس طرح گنے جاتے ہیں اس طرح کسی اور مہینے کے دن گنے نہیں جاتے۔ آج پہلا روزہ ہو گیا، آج دوسرا ہو گیا، آج تیسرا ہو گیا اور دن گنتے وقت بھی وہی کیفیت گننے والے کی الگ الگ کیفیت اس کے لئے الگ الگ پیغام لے کے آتی ہے۔ آخر پر جب پہنچ جاتے ہیں تو وہ لوگ جو ڈرتے ڈرتے رمضان میں داخل ہوئے تھے کہ کتنا لمبا رمضان پڑا ہوا ہے آج ایک روزہ گزرا ہے اور بڑی مشکل سے گزرا ہے، کل دوسرا ہو گا پھر تیسرا پھر چوتھا لیکن جب رمضان الٹ پڑتا ہے جب اپنے اختتام کے پاس پہنچتا ہے تو اس کی کیفیت ویسی ہو جاتی ہے جیسے آبشار کے قریب پہنچتے پہنچتے دریا کی کیفیت ہوتی ہے۔ اس میں ایک روانی آتی ہے ایک تیزی آتی ہے ایک بہاؤ ہے جو موجیں مارتا ہوا اس کنارے کی طرف بڑھتا ہے۔ پس رمضان بھی جب بیچ کا نصف گزر چکا ہو تو الٹنے لگتا ہے، رفتہ رفتہ انسان محسوس کرتا ہے کہ اب یہ اس کنارے پر پہنچنا ہے جس کے بعد یہ آبشار بن جائے گا اور آبشار بننے کے دن دراصل یہ آخری دس دن ہیں۔ اس قدر جوش اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے رمضان میں جیسے طغیانی آئی ہوئی ہو اور ہم ان دنوں کے قریب ہیں اس لئے آپ دیکھیں کہ پچھلے پندرہ دن جب پندرہ روزے گزرے ہیں اس کے اور اب کے درمیان تو وقت کا پتا ہی نہیں چلا کہ کیسے گزر گیا تو اس لئے کہ ہم اس آبشار کے دہانے پر کھڑے

ہیں آج انیسواں روزہ ہے کل اعتکاف شروع ہو جائے گا۔ عام طور پر اکیس سے تیس تک کے دس دن اعتکاف کے ہونے چاہئیں مگر چونکہ یہ پتا نہیں لگ سکتا تھا کہ آخری دس دن نصیب ہوں گے کہ نہیں اس لئے احتیاطاً گیارہ دن کا اعتکاف ہونے لگا کیونکہ اگر انتیس کے روزے ہو جائیں اور آپ دس دن کے خیال سے اعتکاف بیٹھیں تو اعتکاف نو دن کا رہ جائے گا اور اعتکاف کے لئے دس دن کی شرط ہے۔ اس لئے فقہاء اور علماء نے اس کے سوا چارہ نہ پایا اور یہی دستور، یہی سنت آنحضرت ﷺ کی کہ رمضان مبارک کے آخر پر اس احتمال سے کہ کہیں انتیس کا رمضان نہ ہو ایک دن پہلے اعتکاف بیٹھتے تھے۔ اب جبکہ یقینی طور پر ہمیں پتا چل چکا ہے کہ آخری دس دن ہمیں میسر آ سکتے ہیں اگر تیس کا رمضان ہے، اس کے باوجود ہم اعتکاف کو ایک دن پہلے ہی شروع کرتے ہیں کیونکہ ایک دن کم کرنے کا فائدہ تو کوئی خاص نہیں مگر ایک دن بڑھانے کی برکت بڑی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت یہ تھی۔ آپؐ بھی تو اسی طرح کبھی گیارہ دن، کبھی دس دن بیٹھتے تھے مگر اس احتمال سے کہ دس، نو نہ رہ جائیں آپ گیارہ قبول کر لیتے تھے۔ پس اگر اس احتمال سے کہ دس کہیں نو نہ رہ جائیں گیارہ قبول کئے جا سکتے ہیں تو اس ذوق وشوق سے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل ہو جائے کیوں دس کو گیارہ نہ بنایا جائے۔ پس اس لئے ہم نے باوجود یقینی علم ہونے کے اس طریق کو تبدیل کرنا پسند نہیں کیا اور اب بھی تمام احمدی مساجد میں قطعی طور پر علم ہونے کے باوجود کہ یہ تیس دن کا رمضان ہے گیارہ دن کا اعتکاف بیٹھا جاتا ہے، بجائے دس دن کے اور جب انتیس کا ہو تو پھر وہ طبعی طور پر دس ہی دن کا بن جاتا ہے۔

پس اعتکاف کل سے شروع ہونے والا ہے اور جب اعتکاف آ جائے تو پھر تو آبشار کا منظر بالکل سامنے کھل کے آ جاتا ہے۔ کچھ پتا ہی نہیں چلتا کہ آدمی خود چل رہا ہے یا چلایا جا رہا ہے۔ کشتیاں کئی دفعہ چلائی جاتی ہیں کئی دفعہ وہ تمہیں بہا کے لے جاتی ہیں۔ تو رمضان کے آخری دس دن تو انسان کو بہا لے جاتے ہیں اور اور قسم کی بھی آبشاریں پیدا ہوتی ہیں جو آنسوؤں سے جاری ہوتی ہیں، دلوں سے پھوٹتی ہیں اور دعاؤں کی آبشاریں ہیں جو ان آنسوؤں کے ساتھ ساتھ گرتی ہیں۔ پس عجیب مناظر ہیں جو آخری دس دن ہمارے سامنے لانے والے ہیں اور ان مناظر کو دیکھتے ہوئے اگر ان کی کیفیات سے گزریں پھر اس آیت کا مفہوم سمجھ آتا ہے اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ چند گنتی کے دن تھے گزر گئے پتا نہیں ہم خدا کو راضی کر سکے کہ نہیں کر سکے۔ پتہ نہیں ہمارے گناہ بخشے گئے کہ نہیں بخشے

گئے۔ پتہ نہیں ہم ویسے ہی تو نہیں نکل رہے جیسے داخل ہوئے تھے۔ چکنا گھڑا لاکھ سال بھی پانی میں رہے جب نکلتا ہے اسی طرح چکنا، پانی کے بغیر، اس کے اندر پانی کا ایک ذرہ بھی سرایت کیا ہوا محسوس نہیں ہوتا Scientifically تو معلوم کرلیں گے مگر انسانی تجربے کے لحاظ سے چکنا گھڑا کہتے ہیں لاکھ سال بھی رہے گا تو چکنا گھڑا ہی نکلے گا۔ پس ایسے بھی تو ہیں بدنصیب جو جیسے داخل ہوتے ہیں ویسے ہی نکل آتے ہیں۔ مگر ایسے بھی ہیں جو جیسے داخل ہوتے ہیں اس سے بدتر نکلتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے ان کے متعلق ڈرنا چاہئے کہ بعض دفعہ ایسے لوگ قوموں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ رمضان کے مہینے میں جو لوگ شرارت سے باز نہیں آرہے، جو فتنہ فساد پھیلانے سے باز نہیں آتے، جو دنیا کا امن اٹھانے کی تدبیریں سوچتے ہیں اور خدا کے نام پر منبر پر کھڑے ہو ہو کے ایسی باتیں کرتے ہیں جس سے بعضوں کے دل بعض دوسروں سے نفرت کرنے لگیں اور بعض صورتوں میں غیظ وغضب سے بھر جائیں، رمضان کے مہینے میں مذہبی منافرت کی تقریریں بھی خوب چلتی ہیں۔ پس ایسے بھی ہیں جو داخل تو کچھ نسبتاً بہتر ہوتے ہیں لیکن جب نکلتے ہیں تو بہت بدتر ہو کے نکلتے ہیں تو یہ تینوں امکانات ہیں اور یہ گنتی کے چند دن دیکھیں کیسے کیسے انقلاب لے آتے ہیں۔

پس دعا کریں اور توفیق پائیں اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کے ساتھ، محنت کے ساتھ کہ جو دن باقی ہیں ان کا حق ادا کریں ان کو اس طرح اپنا لیں کہ آپ کو ان دنوں سے پیار ہونے لگے، وہ دن آپ ایسا اپنا لیں کہ اپنی برکتیں آپ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے چھوڑ جائیں، پس جب نکلیں تو دامن بھرے ہوئے ہوں، نکلیں تو کچھ پیاس بجھی ہوئی ہو، کچھ پیاس لگی ہوئی ہو، پیاس بجھے اس پہلو سے کہ خدا کے قرب کی علامتیں دیکھیں اور اس کے لطف اٹھائیں۔ پیاس لگے اس پہلو سے کہ جو مزہ ایک دفعہ پڑ گیا ہے اس کی یاد آپ کو پھر ان مزوں کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بے قرار کر دے، تو یہ وہ چند دن ہیں جن کے تقاضے ہیں۔ ان تقاضوں کے متعلق جو مختلف نصیحتیں آنحضرت ﷺ کی احادیث سے میں نے اخذ کی ہیں اور کچھ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات یا تحریرات سے اخذ کی ہیں۔ میں آپ کے سامنے وہ رکھتا ہوں۔

صحیح بخاری کتاب الصوم باب الریان للصائمین میں درج ہے کہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ریّان کہتے ہیں۔ قیامت کے

دن روزہ دار اس سے داخل ہوں گے اور ان کے سوا کوئی اس میں سے داخل نہ ہوگا اور جب وہ داخل ہو جائیں گے تو وہ بند کر دیا جائے گا اور پھر کوئی اس سے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

یہ جو ریان لفظ ہے یہ دراصل سیری کا نام ہے۔ سخت پیاس اور طلب کے بعد کوئی چیز حاصل ہو تو اس سے جو لطف حاصل ہوتا ہے اس کا نام ریّان ہے۔ پانی تو ہم روزمرہ پیتے ہی ہیں مگر ریّان اصل میں اس پانی پینے کو کہیں گے جس میں پیاس بھڑک اٹھی ہو اور پھر جب آپ پانی پیتے ہیں تو جو سیرابی نصیب ہوتی ہے اس کو ریّان کہا جاتا ہے۔ پس ریّان کا معنی ہے جو خاص طور پر قابل توجہ ہے اور دوسرا جنت کا گیٹ یا جنت کا دروازہ ایک ہی معنے رکھتے ہیں، اس ضمن میں پہلے بھی میں سمجھا چکا ہوں کہ یہ تمثیلات ہیں۔ یہ تو نہیں کہ لوہے، لکڑی یا اینٹ پتھر کا کوئی گیٹ بنا ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسانی فطرت اس طرح تیار کی گئی ہے کہ بعض نعمتیں جنت میں انہی کو حاصل ہوں گی جن کے لئے پہلے انسانی فطرت کو ان کے مطابق تیار کر دیا گیا۔ پس ریّان کے دروازے سے مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں جنہوں نے خدا کی خاطر اپنی خواہشات کو روک دیا اور پیاس سے مراد صرف پانی کی بحث نہیں ہے، تمام خواہشات پیاس کا مقام رکھتی ہیں، تمام خواہشات ایک بھڑ کی پیدا کرتی ہیں جو پیاس سے مشابہ ہے اور دنیا کے ادب میں ان کو ہمیشہ پیاس ہی قرار دیا گیا۔

پس ریّان کا معنی صرف پانی کی پیاس نہیں، ہر طلب، ہر خواہش جو فطرتاً انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے اور ایک بھڑ کی لگا دیتی ہے جب وہ بھڑکتی ہے اور جوش مارتی ہے اس وقت جو لوگ خدا کی خاطر رکے رہتے ہیں جب وہ اپنی پیاس کو خدا کی اجازت سے بجھاتے ہیں تو جو لطف اس کا ہے وہ عام حالات میں نہ پیاس بجھانے کا لطف ہے نہ ویسے خواہش کو پورا کرنے میں کوئی لطف ہے۔ بھڑ کی ہوئی خواہش کو پورا کیا جائے تو لطف اور ہی بڑھ جاتا ہے۔ مگر اگر کسی محبوب کی رضا کی خاطر ایسا کیا جائے تو پھر جو لطف ہے وہ دہرا لطف ہے اور اسی کا نام وہ دروازہ ہے جس میں سے وہ داخل ہوں گے۔ ورنہ پیاس کے مضمون کو تو سب جانتے ہیں۔ پیاس کی سیری سے بھی سب واقف ہیں۔ کوئی طوعاً کوئی مجبوراً یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ امیر آدمی کو کبھی پیاس کا تجربہ ہی نہ ہوا ہو یا خواہش ہوگئی ہو تو اسے دبانے کی توفیق نہ ملی ہو یا اس کا تجربہ نہ ہوا ہو۔ بعض دفعہ توفیق مجبوری کی توفیق ہوتی ہے۔ پس امیر سے امیر آدمی کی ہر خواہش کہاں پوری ہوتی ہے۔ بعض خواہشیں زور مارتی رہتی ہیں جب پوری ہوں تب پتا چلتا ہے۔ مگر ان

سب کو جنت کے اس دروازے سے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی جو الریان کہلاتا ہے۔

یہاں مراد یہ ہے کہ خدا کی خاطر، خدا کی رضا کی خاطر جب خواہش پوری کر سکتے تھے اور نہیں کی گئی، جب پیاس بجھا سکتے تھے اور نہیں بجھائی اس وقت تم جانتے ہو کہ دنیا میں روزے نے تمہیں سکھا دیا ہے کہ جب پیاس بجھاتے ہو تو دوہری لذت حاصل کرتے ہو کہ اپنے رب کی خاطر میں ایک امتحان سے کامیابی سے گزر گیا اور گھونٹ گھونٹ پانی اپنے اندر دہری لذتیں رکھتا ہے کہ اب خدا کی اجازت سے میں نے اپنی پیاس کو بجھایا اپنی دوسری خواہشات کو پورا کیا۔ تو یہ جو جنت کا ایک زائد مضمون ہم یہاں اپنے لئے پیدا کر دیتے ہیں یہی وہ دروازہ بنانا ہے۔ یعنی ہم اس دنیا میں خود اپنے اس دروازے کو تعمیر کر رہے ہیں جو آخری دنیا میں ہمارے سامنے پیش ہوگا اور جس نے دروازہ بنایا ہے جس کا وہ مالک وہی اس دروازے سے گزرے گا اور کوئی نہیں گزر سکتا۔ پس یہ مراد نہیں کہ ایک گیٹ اکٹھا ایک جگہ کھڑا ہوا ہے اور کروڑہا آدمی اس کے سامنے Que (لائن) لگا کے کھڑے ہیں کہ ہمیں اجازت ہو تو ہم بھی اس میں سے گزریں کیونکہ جنت میں تو دوسرے دروازوں سے بھی گزرے ہیں تو کیا بار بار نکلنا پڑے گا؟ پھر اگر یہ منظر ہو تو کوئی روزے کے دروازے سے گیا ہے، کوئی نماز کے دروازے سے گیا ہے، کوئی جہاد کے دروازے سے گیا ہے اور جو روزے دار جہاد کے دروازے سے گیا ہے وہ کہے گا روزے کا مزہ تو میں نے چکھا کوئی نہیں اب چلو پھر دوبارہ باہر نکلتے ہیں اور روزے والے دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ یہ سوچ ان لوگوں کی ہے جو دنیاداری کے مضامین کو دین پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دین کے اپنے محاورے ہیں اور دین کی الگ کیفیات ہیں اور ایسا ممکن ہے کہ بیک وقت ایک انسان مختلف لذتیں حاصل کر رہا ہو گویا دروازے بظاہر الگ الگ ہیں لیکن آپ ان سب دروازوں سے بیک وقت داخل ہو رہے ہیں۔ مثلاً ایک مجاہد ہے اس کو جہاد کی ایک لذت حاصل ہوئی جو اس دنیا میں ہوئی اور روزہ دار ہے جو مجاہد تھا روزے دار بن گیا اس کو روزے کی ایک لذت حاصل ہوئی۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوہری لذت کی صورت میں اس دنیا میں پیدا ہو سکتی ہیں اور یہی لذتیں جو ایک کے اوپر دوسری منازل بنا رہی ہوں۔ یہ جب جنت میں متمثل ہوں گی تو بیک وقت ایک ہی گیٹ کے ساتھ اور گیٹ اس کے اوپر ایک اور گیٹ گویا کہ گیٹ کے اوپر ایک گیٹ چڑھا ہوا

ہوگا۔ داخل آپ ایک ہی دفعہ ہوں گے مگر ہر گیٹ اپنی تاثیر آپ کے اوپر ڈال رہا ہوگا۔ ہر گیٹ کا لطف آپ کو محسوس ہو رہا ہوگا مگر ہرگز یہ مراد نہیں کہ اس گیٹ سے داخل ہو جاؤ پھر واپس نکلو، پھر دوسرے گیٹ سے جاؤ، پھر تیسرے گیٹ سے جاؤ یہ تو ایک بچگانہ تصور ہے جو آنحضرت ﷺ کی طرف کسی صورت میں منسوب نہیں ہوسکتا، ناممکن ہے مگر اگر اس کا عرفان آپ سمجھیں اس پر نظر ڈالیں تو بہت ہی عجیب پر لطف مضمون ہے جو روزمرہ ہمارے تجربہ میں آتا ہے۔

پس جس کو ایک خاص لذت نصیب ہو وہی جانتا ہے کہ وہ لذت کیا ہے اور جب وہ دوسروں سے باتیں کرتا ہے تو کہتا ہے تمہیں کیا پتا۔ یہاں تک کہ شراب پینے والے بھی نہ پینے والوں کو کہتے ہیں ''ظالم تو نے پی ہی نہیں'' تجھے کیا پتا کیا چیز ہے جو تو چھوڑ رہا ہے، پیئے گا تو پتا چلے گا، تو شراب معرفت کے متعلق یہ کہنا کہ جنہوں نے پی ہے انہیں کو پتا ہے باقی کوئی اندازہ کر ہی نہیں سکتے اگر سچ ہے تو یہ سچ ہے۔ شراب کا تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ کیا نشہ ہے مگر اس سے زیادہ نشہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی مے کے دنیا میں بسا اوقات ایک انسان پالیتا ہے اور اس کے مقابل پر ہر نشہ ختم ہو جاتا ہے۔ پس قیامت کے دن جو ریان کا دروازہ ہے وہ یہ دروازہ ہے جو اس دنیا میں ہم تعمیر کرتے ہیں اور صرف پیاس کی بات پانی سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ دنیا کی ہر خواہش جو ہم خدا کی خاطر چھوڑتے ہیں اور ہمارے دل میں وہ ایک بھڑکی لگا دیتی ہے جب خدا کی خاطر اس کو پورا کرتے ہیں تو وہ لذت ہے جو جنت میں متمثل ہوگی اور بہت بڑھ جائے گی اتنی کہ اس دنیا کی لذّت سے اس کی کوئی نسبت نہیں ہوگی یا اس کے ساتھ اس دنیا کی لذّت کو کوئی نسبت نہیں ہوگی۔

ایک دوسری حدیث ہے یہ بھی صحیح بخاری سے لی گئی ہے ابراہیم بن سعد نے بتایا کہ ابن شہاب نے ہمیں خبر دی عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نبی اکرم ﷺ نیکی میں سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں بہت ہی سخاوت کرتے تھے۔ جب جبریلؑ آپؐ سے ملتے اور جبرائیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات آپؐ سے ملاقات کرتے تھے یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔ نبی ﷺ قرآن کا دور کرتے جب جبرائیل علیہ السلام آپؐ سے ملتے تو آپؐ نیکی میں تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جایا کرتے تھے ۔

(صحیح البخاری کتاب الصوم باب أجود ماکان النبی ﷺ یکون فی رمضان)

تو وہی موسم والی بات ہر ایک پر اطلاق پاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ سارا سال نیکیوں میں بہت تیز رفتار تھے تو رمضان میں کیا اسی رفتار سے چلتے تھے یا اس میں ایک نئی شان پیدا ہو جاتی تھی، نئی جان آجاتی تھی۔ حدیثیں بتاتی ہیں کہ ان نیکیوں میں جو روزمرہ آپؐ کی عادت تھی ان میں ایک نئی جلاء پیدا ہو جاتی تھی، ایک نیا جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ پہلے سے بڑھ کر تیزی سے آنحضرت ﷺ اپنی روزمرہ کی نیکیوں میں بڑھ جایا کرتے تھے۔ اب اس حدیث نے ہمیں ایک بڑا وسیع مضمون سمجھا دیا اپنے موازنے کا مضمون، اپنے سال پر نظر ڈالیں، اپنی نیکیوں پر نظر ڈالیں ہر انسان خواہ نیک ہو یا بد ہو اسے کچھ نہ کچھ نیکی کی توفیق تو مل ہی جاتی ہے یعنی بد بھی ہو تو مل جاتی ہے، نیک ہو تو اس کو بہر حال کچھ نہ کچھ توفیق ملتی رہتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ رمضان میں وہ نیکیاں جو ہم نے سارا سال کی تھیں ان میں ایک نئی جلا پیدا ہوئی ہے۔ کیا ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے جس طرح عبادت کیا کرتے تھے اس سے زیادہ بڑھ کر اس سے زیادہ توجہ سے عبادت کر رہے ہیں، جس طرح پہلے صدقہ دیا کرتے تھے اس سے زیادہ توجہ کے ساتھ اور دلی خواہش کو ملا کر صدقے دیتے ہیں۔ محض بوجھ اتارنے کے لئے نہیں بلکہ محبت کے جذبے کے ساتھ، جیسے محبت کے جذبے سے جب تحفے پیش کئے جاتے ہیں تو بعض دفعہ بڑے بڑے خوبصورت کاغذوں میں یا ڈبوں میں لپیٹ کر دیئے جاتے ہیں بعض دفعہ تو اتنے زیادہ خوبصورت کر دیئے جاتے ہیں کہ اندر کا تحفہ کم اور باہر کی سجاوٹ زیادہ لیکن اللہ کے حضور بھی کسی حد تک سجاوٹ تو ضروری ہے اور وہ سجاوٹ جو ہے وہ خدا تحفوں کی طرح قبول فرماتا ہے وہ اس کا جزا بنا دیتا ہے۔

تو دیکھنا یہ ہے کہ ہماری قربانیوں میں کیا کوئی نئی حسن کی بات بھی پیدا ہوئی؟ ہم نے انہیں سجانے کی کوشش کی؟ جو نمازیں پہلے پڑھتے تھے ان کو اگر ہم بے خیالی سے پڑھ جایا کرتے تھے اور خیال کو خدا تعالیٰ کی طرف مرکوز رکھنے پر محنت نہیں کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ چار رکعتیں پوری ہو گئیں یا تین رکعتیں پوری ہو گئیں تو بات ختم ہو گئی آؤ واپس اب دنیا کی طرف چلتے ہیں بلکہ بسا اوقات دنیا چمٹی رہتی تھی اور نماز کے دوران وہ پیچھا چھوڑتی ہی نہیں تھی۔ پس محض ایک ظاہری بندھن تھا جس کے ٹوٹنے کے بعد کوئی بھی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔ ویسی ہی بات ہوتی ہے بعض دفعہ نماز پڑھنے والوں سے جس طرح غالب نے کہا ہے۔

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی، نہ زیاں تھا نہ سود تھا

تو ایسے لوگوں کی نماز سے جب آنکھ کھلتی ہے تو ہاتھ میں کچھ نہیں ہوتا۔ نہ زیاں نہ سود لیکن ایک زیاں ضرور ہوتا ہے۔ غالب کا شعر (دیوان غالب: 27) تو ایک انسانی حالت پر طاری ہونے والا ہے، اطلاق پانے والا ہے۔ نماز کے معاملے میں ہاتھ تو کچھ نہیں آتا مگر وہ وقت ضائع ہو جاتا ہے جس میں ہاتھ آسکتا تھا اور اس لحاظ سے زیاں کا پہلو غالب رہتا ہے۔

پس یہ بھی دیکھیں کہ رمضان میں آپ کی وہ نیکیاں جن کی آپ کو پہلے توفیق ملا کرتی تھی کسی نئے جذبے سے جاگ اٹھی ہیں کہ نہیں۔ ان نیکیوں کی آنکھیں کھلی ہیں کہ نہیں یا غفلت کی حالت میں سوئے سوئے ادا ہو رہی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق قطعی طور پر ثابت ہے ایک حدیث نہیں اور بہت سی احادیث میں یہی مضمون ہے کہ رمضان کے دنوں میں تو آپؐ کی نیکیاں اس قدر جوش دکھاتی تھیں کہ جیسے ہوا آندھی میں تبدیل ہو جائے اس طرح آپؐ ہر نیکی میں آگے بڑھ جایا کرتے تھے۔ تو یہ جو نیکیوں کا موازنہ ہے یہ بعض دفعہ دل کے طبعی جوش سے پیدا ہوتا ہے، بعض دفعہ بالارادہ کرنا پڑتا ہے۔ یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو تو اس بارے میں ارادے کے ساتھ محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ محنت تو بہت کرنی پڑتی تھی کیونکہ جب خدا کی رضا کی خاطر انسان پورا زور لگاتا ہے تو کچھ نہ کچھ جسمانی محنت اور اس کی تھکاوٹ کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر وہ محنت خود اپنے آپ کو سنبھال لیتی ہے کیونکہ ولولے اور محبت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اس لئے محنت تو ہے مگر اس طرح تھکا دینے والی محنت نہیں جیسے ایک آدمی ایسا کام کرے جس میں دل نہ ہو، اس کو بیگار کہتے ہیں۔ مزدور کو بھی اگر پوری مزدوری دو بلکہ اس سے کچھ زیادہ دے دو تو سخت محنت کر کے بھی وہ اتنا نہیں تھکتا جتنا کسی مزدور کو پکڑ لیا جائے اور کہا جائے چلو محنت کرو ورنہ تمہیں ماریں گے۔ وہ بے چارہ ہر قدم جو اٹھاتا ہے وہ منوں بوجھل ہو جاتا ہے خواہ ہلکا کام ہی اس کے سپرد ہو۔ تو محنت کے بھی مختلف مدارج ہیں، مختلف کیفیتیں ہیں، ان کے تابع ہمیں اپنے آپ کو دیکھنے جانچنے کا بہت اچھا موقع ہے خصوصاً رمضان شریف میں۔ رمضان میں ہم جتنا قدم نیکیوں میں آگے بڑھاتے ہیں اول تو جانچ سکتے ہیں کہ کیا آنحضرت ﷺ کی طرح

ایک طبعی جوش سے ہم آگے بڑھے ہیں اور اس کی تکلیف کی بجائے جو محنت ہم کر رہے ہیں ہم اس سے لذّت پا رہے ہیں اگر چہ جسم کمزور ہے اور روح کی تازگی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی کہا کہ روح جوش رکھتی ہے لیکن جسم کمزور ہے ویسی ہی کیفیت ہر انسان کو اپنے زندگی کے تجارب میں محسوس ہوتی ہے۔ ایک پیارے کی خاطر جاگتا ہے اور ایک مصیبت کے طور پر فرض کے طور پر جاگتا ہے، ان دونوں میں فرق ہے اور وہ مزدور جس کو تھوڑی مزدوری ملتی ہے اس کی محنت اس کے لئے بہت ہی مشقت اور مصیبت لے کے آتی ہے۔ وہ مزدور جس کو زیادہ مل جاتی ہے وہ زیادہ وقت چاہتا ہے اگر اس سے زیادہ محنت نہ لیں تو وہ شکوہ کرتا ہے۔ اب آپ کو پاکستان یا ہندوستان میں شاذ ہی یہ احتجاج ملیں گے کہ ہمیں Overtime نہیں دے رہے مگر یہاں اگر فیکٹریاں Overtime نہیں دیں گی تو خاص طور پر آزاد کشمیر کے جو آنے والے ہیں وہ تو بڑا شور مچاتے ہیں۔ ان کا بدن زیادہ سخت جان ہے اور اس کو وہ پیسے میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ تو کہتے ہیں یہاں Overtime نہیں دیا جا رہا بڑا ظلم ہو رہا ہے ہمارے اوپر اور اگر واپس وہاں چلے جائیں اور تھوڑے پیسے دے کے Overtime لیں تو کہیں گے Overtime لیا جا رہا ہے بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ ایک ہی چیز ہے صرف کیفیت اور رجحان بدلنے سے وہ مختلف اثرات پیدا کر دیتی ہے۔

تو رمضان مبارک کو اس طرح بھی جانچیں۔ کچھ تو اس طرح، دیکھیں کہ آپ نے جو کہ گزشتہ نیکیاں کی تھیں کیا رمضان کے مہینے میں ان میں ایک نئی زندگی پیدا ہوئی؟ کیا آپ نے ان نیکیوں میں کچھ قدم آگے بڑھایا جو رمضان کے بغیر آپ کو توفیق نہیں ملی تھی؟ اور پھر نیکیوں میں آپ نے پہلے سے بڑھ کر لذّت محسوس کی کہ نہیں؟ اگر لذّت محسوس کی ہے تو لازماً آپ کو کچھ ملا ہے اور یہی وہ ملنا ہے جس کی طرف رمضان ہمیں متوجہ کر رہا ہے اور وہ خدا کا ملنا ہے۔ تمام تر مقصد رمضان کا خدا کا ملنا ہے اور یہ لذّتیں جن کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں یہ تمام لذّتیں خواہ کسی نوعیت کی ہوں تب پیدا ہوتی ہیں جب وصل کا احساس پیدا ہو، جب قرب الٰہی کا احساس پیدا ہو اس کے بغیر کوئی لذت، لذت بن ہی نہیں سکتی۔ نماز میں بھی اگر مزہ آئے گا تو لازماً ان لمحات میں مزہ آئے گا جب آپ کو خدا کے قرب کا احساس ہوگا ورنہ یہ نماز بور ہی رہے گی۔ روزوں کے درمیان بھوک اور پیاس میں بھی اگر کوئی مزہ آئے گا تو محض اس وقت جب آپ کی توجہ اللہ کی طرف ہوگی اور آپ دل سے محسوس کریں گے کہ

ہاں میں نے اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے تکلیف اٹھائی ہے اور مجھے خوشی ہے۔ وہ جو خوشی ہے وہ زبان کی بات نہیں ہوتی وہ دل کا تجربہ ہوا کرتا ہے۔ واقعۃً روزے دار جب یہ احساس پیدا کرے تو اس کو لطف آتا ہے کہ آہا بہت اچھی بات ہے۔ کچھ غریب ایسے بھی ہیں جو بے اختیار ہیں وہ بھوکے رہنے پہ مجبور ہیں مجھے تو اختیار تھا میں تو خدا کی خاطر رکا ہوں۔ پس اس پہلو سے رمضان ہوش کے ساتھ گزاریں اور جو گنتی کے چند دن باقی رہ گئے ہیں ان میں اپنا موازنہ کرتے رہیں۔ اس دوران کی کیفیت کا موازنہ اپنی پہلی کیفیات سے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے احساس کا موازنہ اپنے پہلے احساسات سے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو میں امید رکھتا ہوں کہ اگلے دن آپ کے لئے بہت کچھ فائدہ چھوڑ جائیں گے اور زیاں کا کوئی احساس نہیں ہوگا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ابو ہریرہؓ سے روایت ہے یہ بھی صحیح بخاری سے حدیث لی گئی ہے کہ روزے ڈھال ہیں، سو کوئی شخص فحش بات نہ کرے اور نہ جہالت کی بات اور اگر کوئی آدمی اس سے لڑے، گالی دے تو چاہیئے کہ اس سے دو بار کہے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الصوم باب هل يقول انّی صائم أذا شتم)

اب یہ حدیث جو ہے اس میں جو بُو کا بیان ہے یہ ویسا ہی بیان ہے جیسا کہ ''ریّان'' کی بات ہو رہی ہے کہ وہ ایک دروازہ ہوگا جنت میں۔ وہ کوئی ظاہری لکڑی کا دروازہ نہیں ہوگا۔ اور یہاں جو بو ہے خدا کو تو بو آتی ہی نہیں ان معنوں میں جن معنوں میں ہمیں آتی ہے۔ اگر خدا کو ان معنوں میں بو آئے تو دنیا کی اکثر جگہوں پہ ہر قسم کی بدبو پائی جاتی ہے اور گناہوں کی بدبُو تو اتنی عام ہے کہ زمین کے قریب بھی خدا نہ پھٹکے کبھی۔ مگر خدا کو ان معنوں میں بو نہیں آتی۔ نہ ظاہری نہ روحانی معنوں میں بلکہ اس کا علم ہے اور اسی علم کا نام بعض دفعہ، یہ رکھا جاتا ہے کہ خدا نے محسوس کیا، خدا کو اس بو کا علم ہوا۔ تو علم اور چیز ہے اور ویسے تجربے میں سے گزرنا اور چیز ہے۔

تو مراد یہاں صرف اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے صاف ستھرے ہوں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندوں میں سے خوشبو اٹھے ظاہری خوشبو بھی اور باطنی خوشبو بھی اور یہ ایک امر واقعہ ہے جو ہر مذہب میں ہمیں اسی طرح ملتا ہے۔ تمام مذاہب میں رواج ہے کہ

کہیں وہ اپنے مندروں میں لوبان جلاتے ہیں، کہیں کئی قسم کی خوشبودار چیزیں چھڑکتے ہیں کہیں وہ عطر خود پہن کر یا لگا کر چلتے ہیں تو مسجد کے ساتھ خوشبو کا ایک تعلق ہے، گرجوں کے ساتھ بھی خوشبو کا تعلق ہے، مندروں کے ساتھ بھی خوشبوؤں کا تعلق ہے تو مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خوشبو پسند ہے اس لئے نہیں کہ وہ خود سونگھتا ہے۔ اس لئے کہ تم سے محبت ہے تم سے پیار ہے تم جو اچھے لگتے ہو تو خدا کو بھی یہ اچھا لگتا ہے تم جب خوشبودار ہو تو اللہ کو گویا تمہاری خوشبو کا لطف آ رہا ہے اور اس کے باوجود رمضان میں تمہارے منہ کی بدبو کا اس کو علم ہے اور جانتا ہے کہ تم تکلیف میں ہو لیکن خدا کی خاطر ہو، یہ تکلیف خدا کی خاطر اٹھا رہے ہو، بدبو سے گزارا کر رہے ہو اللہ کی خاطر۔ تو یہ بات اللہ کو پسند ہے کہ دیکھو میرا بندہ جس کو میں نے بہت ہی پاکیزگی کی تعلیم دی، پاکیزگی کی عادات ڈالیں، جس کو بار بار صاف ستھرا ہونے کے سلیقے سکھائے، پانچ دفعہ وضو کرتا ہے، ہر گندی چیز سے بچنے کی کوشش کرتا ہے آج میری خاطر ایک ایسا کام کر رہا ہے کہ اتنے لطیف مزاج کا، اتنے صاف ستھرے مزاج کا انسان منہ میں بدبو لئے پھر رہا ہے اور بے بس ہے۔ تو یہ پیار کی کیفیت ہے۔ اپنا بچہ، اپنا عزیز جب کسی کی خاطر کوئی گند بھی لگا بیٹھے تو وہ گند اس وقت اچھا لگتا ہے کہ اس نے اس کی خاطر کیا ہے۔ کئی دفعہ ایک انسان کسی چیز کو پکڑنے لگتا ہے جو نسبتاً گندی ہو تو کوئی پیار کرنے والا آگے بڑھ کر لپک کر اس کو ہاتھ میں اٹھا لیتا ہے۔ اب اس وقت کا اس کا گندا ہاتھ اس کو برا تو نہیں لگا کرتا۔ کون کہہ سکتا ہے اُوں ہُوں تم نے تو ہاتھ گندا کر لیا۔ ہاتھ گندا کیا محبت کی خاطر اور وہ گندا ہاتھ پیارا لگ رہا ہوتا ہے اس پر رحم تو آتا ہے اس سے نفرت پیدا نہیں ہوتی۔ پس یہ معنی ہے کہ خدا کو روزے دار کے منہ کی بدبو بھی پیاری لگتی ہے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ خوشبوؤں میں کستوری کو، مشک کو ایک مقام ہے تو ساری دنیا میں شاعروں کی زبان پر جاری رہتا ہے کہ مشک کی خوشبو بہت ہی پاکیزہ اور عظیم خوشبو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مشک کی خوشبو سے زیادہ خدا کو روزے دار کے منہ کی بدبو پسند ہے جو خدا کی خاطر اس بدبو کے ساتھ نبھانے کی کوشش کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جب جھگڑیں تو جواب میں کہے ''میں تو روزے دار ہوں'' یہ بحث ہے جواب میں کہے ''میں تو روزے دار ہوں'' یہ ایک ایسی دلچسپ چیز ہے جس کے کئی پہلو ہیں اصل میں۔ ایک تو یہ کہ جب آدمی کہے میں تو روزے دار ہوں تو اس وقت اس کا کسی اشتعال سے رک جانا اس اشتعال سے رک جانے کو ایک نیکی بنا دیتا ہے اور اس کے دل میں احساس جاگ اٹھتا ہے کہ میں خدا کی خاطر

رک رہا ہوں۔ دوسرا یہ کہ جو سننے والا ہے جس نے زیادتی کی ہے اس کو یہ کہہ کر انسان ایک تسکین پالیتا ہے کہ کہیں مجھے کمزور ہی نہ سمجھ رہا ہو اور بعض ایسے جو شیلے ہیں کہ ان کو صرف غصہ دبانا مشکل نہیں بلکہ یہ برداشت کرنا مشکل ہے کہ اگلا مجھے نکما ہی نہ سمجھ رہا ہو۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری بے عزتی کر جائے جو مرضی کر جائے میں اسی طرح بیٹھا رہ جاؤں گا۔ چنانچہ ایسے مزاج کے لوگ بعض دفعہ اپنے کپتے پن پہ بھی فخر کرتے ہیں۔ خبردار ہے جو ہمارے متعلق کوئی کہے ہم بڑے کپتے، بدمعاش لوگ ہیں۔ ہم یوں جواب دیا کرتے ہیں۔ اب وہ بے چارے کپتے بدمعاش اگر تھے روزے میں پھنس گئے ہیں تو کس طرح برداشت کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے طریقہ سکھا دیا ہے تم یہ کہہ دیا کرو کہ میں پھنسا ہوا ہوں، مجبور ہوں، بندھا ہوا ہوں ورنہ میرا دل تو بڑا چاہ رہا ہے اس وقت کہ جوابی حملہ تم پہ کروں تو نفسیاتی طور پر جو ایک کمزوری کا احساس پیدا ہوتا ہے یہ بات کہنا اس کمزوری کے احساس کو دور کر دیتا ہے کہ میں تو خدا کی خاطر رکا ہوا ہوں اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کو آئندہ جوشوں پر قابو پانے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ ایک انسان جب اپنے جوشوں کو کھلی چھٹی دیتا ہے تو یاد رکھیں کہ ہمیشہ وہ چھٹی آگے بڑھتی جاتی ہے۔ مونہہ تھوڑا سا کھلتا ہے تو پھر پھٹنے لگتا ہے۔ پھر ایسے لوگ مستقلاً منہ پھٹ ہو جاتے ہیں اور وہ لوگ جو منہ کو سنبھالتے ہیں وہ سنبھالتے سنبھالتے منہ کو ادب سکھا دیتے ہیں اور پھر بے اختیار منہ سے کوئی سخت لفظ نکلتا ہی نہیں۔ تو رمضان مبارک میں جو یہ بات زور سے کہی جاتی ہے آواز کے ساتھ کہ میں خدا کی خاطر رکتا ہوں تو کسی انسان میں تو یہ جذبہ جاگتا ہوگا کہ اللہ کی خاطر ان باتوں سے رکنا اگر اچھی بات ہے تو رمضان کے بعد میں کیوں پھر ایسی باتوں کو جاری رکھوں اور رمضان کی ایک مہینے کی پریکٹس اس کے گیارہ مہینے کے کام آسکتی ہے اور وہ واقعۃً رمضان سے نکلتا ہے تو پہلے سے زیادہ اپنے جذبات پر قابو پا کر اور قابو پانے کی صلاحیت حاصل کر کے نکلتا ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں یہ بھی بخاری ہی سے حدیث لی گئی ہے اور ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، کہ جو شخص جھوٹ بولنے اور جھوٹ بولنے پر عمل کرنے سے اجتناب نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الصوم باب من لم یدع قول الزور والعمل به فی الصوم)

اور یہاں روزے کے دوران کی بحث نہیں ہے بلکہ رمضان کی بات ہو رہی ہے۔ رمضان کا

مہینہ آتا ہے اور کوئی شخص جس کو جھوٹ بولنے کی عادت ہے وہ اس سے باز نہیں آتا تو ایسے شخص کا بھوکا اور پیاسا رہنا خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل ستائش ہے ہی نہیں، قبولیت کے لائق نہیں ہے اور وہ بھوکا پیاسا گزر جائے گا اور اس کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ تو جھوٹ کی طرف بھی توجہ کریں یہ آج کل بہت پھیل رہا ہے اور میں پہلے بھی بارہا جماعت کو متوجہ کر چکا ہوں کہ جھوٹ کے خلاف ایک عالمی جہاد کی ضرورت ہے جو ہمارے گھروں سے شروع ہوگا، ہمارے نفوس سے شروع ہوگا، بسا اوقات لوگ ملتے ہیں کہ جی آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بولنا۔ میں کہتا ہوں انّا لِلّٰہ و انّا الیہ راجعون میرے سامنے نہیں بولنا خدا کے سامنے بولتے چلے جانا ہے کیونکہ خدا سے چھپ کے کہاں جھوٹ بولیں گے بہت ہی پاگلوں والا محاورہ ہے۔ اب اگر کسی کے منہ پر آئے گا تو مجھے یقین ہے ملاقات کے وقت ہاتھ رکھ کے اپنے آپ کو روک لے گا مگر کئی ہیں جن کو عادت ہے وہ کہتے ہی ہیں۔ میں نے اس پہ خطبے دیئے تب بھی کئی آدمی کہتے ہیں۔ میں نے کہا واقعۃً یہ اسی طرح ہوا تھا؟ کہ جی میں آپ کے سامنے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ میں نے کہا جو خدا کے سامنے بول سکتا ہے وہ سب کے سامنے بول سکتا ہے۔ یہ بھی جھوٹ ہے کہ آپ کے سامنے نہیں بول سکتا بلکہ ایسے ہی لوگ ہیں جو سامنے جھوٹ بولتے ہیں۔

اس لئے جھوٹ ایک بڑی لعنت ہے اور جب یہ عادت بن جائے تو انسان کو پتا ہی نہیں چلتا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں یہ بڑی بدنصیبی ہے اور اتنی عادت بن چکی ہے دنیا میں کہ آپ دیکھ کے حیران ہوں گے۔ بعض ملک کے ملک قوموں کی قومیں جھوٹ کے سمندر میں ایسا غرق ہو چکے ہیں کہ ان کو پتا ہی نہیں کہ ہم ڈوب چکے ہیں اور فنا ہو چکے ہیں احساس ہی نہیں رہا اور سب سے بڑا عذاب اسی احساس کا مٹ جانا ہے کہ جھوٹ ایک لعنت ہے اور ہمیں سچائی کی طرف لوٹنا ہوگا۔ یہ جو جھوٹ کا سیلاب ہے اس نے اب بڑی بڑی ایسی قوموں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے جو کسی زمانے میں سچائی پر فخر کرتی تھیں اور یہ جو قوموں کا معاملہ ہے یہ ہر ملک میں الگ الگ قبائل سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ مجھ سے ملنے کے لئے ایک معزز دوست پاکستان سے تشریف لائے جن کے قبیلے کی بعض روایات ہیں بڑی بلند اور مقدس روایات ہیں کہ ظلم نہیں کرنا، جھوٹ نہیں بولنا فلاں کام نہیں کرنا۔ تو انھوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ اب تو سارے ملک میں اپنے علاقے میں جدھر نگاہ ڈالتے ہیں سب

قومیں غرق ہو چکی ہیں اس بات میں۔ دعا کریں کہ ہمیں یہ جھنڈا اٹھائے رکھنے کی توفیق ملے۔ اب تک تو خدا کے فضل سے ہم نے بڑی محنت اور کوشش کے ساتھ اس جھنڈے کو بلند رکھا ہے اور اپنی قومی روایات کو جو اعلیٰ روایات ہیں مرنے نہیں دیا مگر ایسے لوگ کم رہ گئے ہیں جزائر کی صورت میں ہیں اور ان میں بھی پھر انفرادی طور پر بہت سے نوجوان ایسے بھی ہوں گے جو رفتہ رفتہ دوسرے سیلاب میں بہہ گئے ہیں یا بہہ جانے والے ہیں۔ تو ان کے لئے دعا کرنی چاہئے جن کو احساس ہے کہ ہم ان خوبیوں کو زندہ رکھیں اور قوم میں بالعموم گردوپیش میں اس کا درس دینا چاہئے کہ جھوٹ سے بڑی دنیا میں اور کوئی لعنت نہیں ہے۔

قوموں کے اعتبار سے اور ملکوں کے اعتبار سے وہ ممالک جن میں یہ فخر ہوتا تھا کہ ہم کم سے کم اپنی قوم سے جھوٹ نہیں بولتے اور سیاستدان جو قوم سے جھوٹ بولے اس کا تصور بھی نہیں تھا لیکن اب تو یہ روزمرہ کی بات بن گئی ہے۔ ایسے ممالک ہیں جہاں پولیس کے متعلق تقریباً یقین ہوا کرتا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گی مگر اب تو روزمرہ دستور بن گئے ہیں ان ممالک میں کہ پولیس بھی جھوٹے مقدمے بناتی اور اس کے نتیجے میں بعض معصوموں کو مظالم کا نشانہ بنا دیتی ہے ایسے واقعات ہوتے ہیں ان ملکوں میں کہ ایک آدمی بے چارہ دس پندرہ سال کی قید برداشت کر کے اپنے جوانی کے دن قید میں گلا کر اور ضائع کر کے باہر نکلتا ہے اس لئے کہ پندرہ سال کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ پولیس نے سارا کیس ہی جھوٹا بنایا ہوا تھا۔ تو جھوٹ کا تو اب یہ حال ہو گیا ہے اور جھوٹ کے خلاف جو جہاد کرنا ہے اس کا جھنڈا جماعت احمدیہ کے ہاتھ میں تھمایا گیا ہے۔ اگر آپ نے اس جھنڈے کو گرنے دیا تو کوئی ہاتھ نہیں ہوگا جو اس کو اٹھا سکے گا۔ اس لئے ساری دنیا میں جھوٹ کے خلاف جہاد جاری رکھیں اور یہ جہاد اپنے نفوس سے شروع ہوگا اپنے گھروں سے شروع ہوگا اور رمضان مبارک میں تو بالخصوص آپ کے لئے بہت اچھا موقع ہے کہ رمضان کی ہوائیں آپ کی تائید کر رہی ہیں۔

رمضان سچ کی ہوائیں چلاتا ہے اور یہ ہوائیں جو ہیں یہ آپ کی مددگار بن گئیں ہیں۔ پس جھوٹ سے خود بھی اجتناب کریں اور اپنے بچوں پر بھی نظر رکھیں، اپنی بیوی پر اپنے ماحول اپنے گردوپیش پر، اپنے دوستوں پر کہ ان کی جو عادت بن گئی ہے روزمرہ جھوٹ بولنے کی اس سے وہ نکل کے باہر آئیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں جی یہ تو عادت کی بات ہے معمولی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ عادتیں جو ہیں

یہ دراصل پیش خیمہ ہیں بڑے جھوٹوں کا۔ جب ایک جگہ سے حیا اٹھ جائے تو پھر آگے حیا اٹھتی چلی جاتی ہے۔ دنیا میں کہیں کوئی مقام ٹھہراؤ کا مقام نہیں ہے یا آپ جوان ہو رہے ہیں یا آپ بوڑھے ہو رہے ہیں تیسری کوئی چیز نہیں۔ اگر جوانی کے بعد کہیں قدم رُکے ہیں تو آپ سمجھتے ہیں کہ قدم روکے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں مسلسل یا آپ جوانی کی طرف مڑ جائیں گے یا بڑھاپے کی طرف تیزی سے آگے بڑھ جائیں گے کھڑے ہونے کا کوئی مقام نہیں ہے۔ پس بدیوں کا بھی یہی حال ہے جب آپ ان سے تعلق بڑھاتے ہیں تو پھر وہ بڑھتے چلے جاتے ہیں یا تعلق کاٹنے ہوں گے اور پھر وہ کٹتے چلے جائیں گے یا بڑھیں گے اور بڑھتے چلے جائیں گے بیچ کی کوئی حالت نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا کہ دیکھو بعض دفعہ ایک کالا سا تل چہرے پر ظاہر ہوتا ہے اور وہ بیماری کا تل ہوتا ہے وہ پھیلنے لگتا ہے تو دیکھو تمہیں کتنی تکلیف ہوتی ہے کیسی گھبراہٹ ہوتی ہے کیسی کیسی فکروں میں مبتلا ہو جاتے ہو ڈاکٹروں کے دروازے کھٹکھٹاتے طبیبوں کے پاس پہنچتے کہ یہ داغ تو پھیلتا جا رہا ہے اور بسا اوقات اگر صحیح علاج نہ ہو تو وہ چھوٹا سا داغ سارے چہرے کو بدنما کر دیتا ہے اور یہ داغ بعض دفعہ سفیدی کا داغ سفید برص کی صورت میں آتا ہے حالانکہ سفیدی کو لوگ پسند کرتے ہیں مگر جب یہ بیماری بن جائے تو وہ پھیلتے پھیلتے سارے جسم پر قبضہ کر جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ دیکھو گناہوں کا یہی حال ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ تم نے بہت معمولی معمولی ابتدائی گناہ کئے ہیں اور وہ کرتے چلے جاؤ اور ان کے خلاف تمہارے دل میں کوئی نفرت پیدا نہ ہو۔ اگر نہیں ہوگی تو پھر یہ داغ پھیلیں گے۔ پھر چھوٹے گناہ بڑھ کر بڑے گناہ بنیں گے اور بڑے گناہ بڑھ کر تمہیں گھیر لیں گے اور جہاں تک گھیرنے کا تعلق ہے قرآن کریم میں ایک ایسی آیت ہے جو بہت ہی انذاری آیت ہے۔ فرماتا ہے وہ لوگ نہیں بخشے جائیں گے جن کو ان کی سیآت نے گھیر لیا ہو۔ (البقرہ:82) یعنی خدا تعالیٰ اپنی بخشش کا ذکر فرماتا ہے کہ میں اگر چہ ہر گناہ کو بخش سکتا ہوں لیکن وہاں ایک بہت ہی باریک تعلیم یہ بھی دی کہ وہ لوگ جن کو ان کی برائی نے گھیر لیا ہو وہ نہیں بخشے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ بعضوں کو کینسر کی بیماری گھیر لیتی ہے بعضوں کو دوسری بیماریاں ہیں سل ہے یا دوسری ایسی بیماریاں وہ گھیرے میں لے لیتی ہیں ان کا گھیرا نہیں ٹوٹا کرتا پھر تم گناہ کے گھیرے میں نہ آؤ یہ تعلیم ہے۔ اگر تم گھیرے میں آ گئے تو پھر تمہاری

جوابی جدو جہد ہی ختم ہو جائے گی یا بے معنی ہو جائے گی اور بسا اوقات ختم ہو جاتی ہے پھر انسان اس چیز کو ایک تقدیر کے طور پر ایک قانون کے طور پر قبول کر کے اس پہ راضی ہو بیٹھتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں ایک اور گناہ ایسا پیدا ہوتا ہے جس کا دائرہ پھر اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

تو رمضان مبارک میں جھوٹ کے خلاف اگر آپ جہاد کریں تو یاد رکھیں اس کے نتیجے میں آپ کے روزے میں بھی برکت ہوگی۔ آپ ویسے بھی تو خدا کی خاطر کھانے سے رک رہے ہیں، پینے سے رک رہے ہیں مگر اگر ساتھ یہ جہاد بھی شروع ہو جائے جو جھوٹ کے خلاف ہے، اس جھوٹ کے خلاف جو روزے کا زہر قاتل ہے، اگر جھوٹ کھا لیا تو گویا سب کچھ روزے میں کھا لیا اور روزے کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ پس جھوٹ کے خلاف اگر آپ جہاد شروع کریں گے اور باریکی سے گرد و پیش میں نظر رکھیں گے تو آپ کے روزے کی بھوک آپ کے لئے زیادہ ثواب لے کے آئے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبولیت کی شرط سچائی رکھ دی ہے۔ پس جتنا آپ سچائی کی طرف بڑھیں گے اتنا ہی آپ کے روزے مقبول ہوتے چلے جائیں گے اور اس کے نتیجے میں آپ کو دنیا میں بھی یہ محسوس ہوگا کہ یہ روزہ آپ کے لئے روحانی صحت کا موجب بنا ہے۔

پس سارے عالم کو جھوٹ سے صاف کرنے کے لئے ایک بڑی عظیم جدو جہد کی ضرورت ہے۔ تبلیغ کے ذریعے جہاں لوگ احمدیت کو قبول کرتے ہیں وہاں ان کے اوپر اصلاحی، تربیتی کام کا آغاز وہیں سے شروع ہو جانا چاہئے اور جن قوموں میں جھوٹ پایا جاتا ہے وہاں اس کے خلاف جہاد کریں۔ بعض قومیں ہیں جو غریب بھی ہیں مگر سچی ہیں مگر بعض ہیں جو امیر بھی ہیں اور جھوٹی ہیں اور اسی طرح خاندانوں کا حال ہے، اسی طرح افراد کی کیفیت ہوتی ہے۔ تو آپ کو بیدار مغزی کے ساتھ جس شخص کو احمدیت کے دائرے میں لے کے آنا ہے اس کی کمزوریوں پر نظر ڈالنی ہوگی اور ان کی اصلاح کا جہاد فوراً شروع کرنا ہے کیونکہ کسی کا احمدیت میں آنا اس کے سوا کوئی معنے نہیں رکھتا کہ اب مجھے جو ٹھیک کرنا ہے کر لو میں حاضر ہوں، میں نے قبول کر لیا، جو اصلاح کا دور ہے وہ ختم نہیں ہوا، شروع ہوا ہے۔

قرآن کریم اسی مضمون کو بیان فرماتا ہے یہ کہہ کر، ہمیں یہ دعا سکھا کر کہ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۚ (آل عمران:194) اے ہمارے رب ہم نے سنا ایک منادی کرنے والے کو، ایک اعلان عام کرنے والے کو کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ

پس ہم ایمان لے آئے تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سفر ختم ہونے کا اعلان ہے ہم ایمان لے آئے الحمدللہ بچ گئے ۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے اس کے بعد وہ یہ مطالبہ کرتے ہیں۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۔اب ہماری زندگی کا وہ دور شروع ہوا ہے جہاں ہم نے ایک نئے تخلیق کے عالم میں دوبارہ ابھرنا ہے، پھر سے پیدا ہونا ہے۔اس کے لئے ہماری درخواست یہ ہے، ہماری التجا یہ ہے کہ پرانے گناہوں کو، پرانی غلطیوں کو بخش دے اور جاری غلطیوں کی اصلاح فرماتا جا اور اس وقت تک ہمیں یہ توفیق دے، اس وقت تک ہم زندہ رہیں جب تک تیری نظر میں ہم نیکوں میں جان دے رہے ہوں، بدوں میں جان نہ دے رہے ہوں۔پس ہر آنے والے کے لئے یہ کوشش ضروری ہے اور اپنی ذات کے لئے اگر یہ نہیں ہوگی تو آنے والے کے لئے بھی نہیں ہوسکتی۔

پس اس رمضان میں ان باتوں کو سمجھ کر ان سے حتی المقدور استفادے کی کوشش کریں۔خدا کرے کہ یہ رمضان ہمارے لئے ایسا زندہ ہو جائے کہ ہمیں ہمیشہ کی زندگی دے کر جائے، زندگی لے کر واپس نہ جائے۔آمین